شعیب ہاشمی

دُور دیس کی کہانیاں

شعیب ہاشمی

تزئین و آرائش : مقصود احمد، افشار ملک

ہجری مطبوعات کمیٹی

پندرہویں صدی عیسوی

فہرست

بچّہ پارٹی

ابتدائیہ

میں نے بہت سے مُلکوں کی بہت سی کہانیاں پڑھ کے اُن میں سے کُچھ کہانیاں تمہارے لئے چُنی ہیں۔ اور پھر اُن کو اُردُو میں لکھ کے اِس کتاب میں چھاپ دیا ہے تاکہ تُم لوگ پڑھ سکو۔
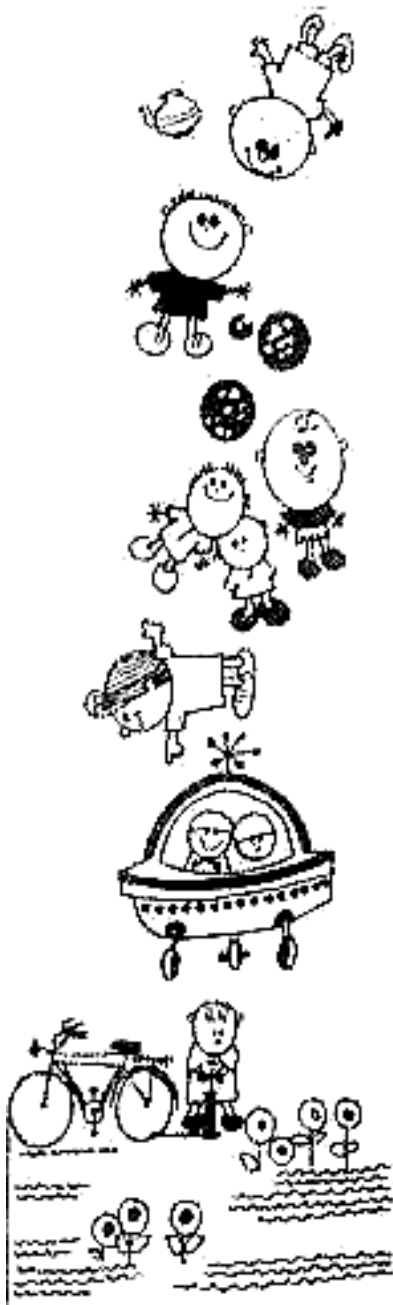
ویسے تو دُنیا بھر میں بچّوں کو کہانیاں سُنائی جاتی ہیں۔ اور کوئی کہانی کسی بھی ملک کی ہو بہت جلدی ساری دُنیا میں پھیل جاتی ہے اور کسی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ سب سے پہلے یہ کہاں کی تھی۔

سب لیکن کسی بھی ملک کی کہانی کو غور سے پڑھو تو اُس میں اُسی مُلک کا رنگ ہوتا ہے اور اُسی مُلک کی خُوشبو ہوتی ہے۔ اور کسی مُلک کی کہانی پڑھنے سے کہانی بھی ہو جاتی ہے اور اُس مُلک کی سیر بھی۔ ایک ٹکٹ میں دو مزے۔ باقی رہا کہانی پڑھنے کا طریقہ۔ تو یا تو تُم لوگ خود پڑھ لو۔ اور اگر تم لوگ بہت چھوٹے ہو یا تھوڑے نالائق ہو

تو بے شک امّی یا ابّو سے سُن لو۔ لیکن اُن سے کہہ دو کہ کہانی پڑھ کر اُنہی لفظوں میں سُنائیں جن میں، میں نے لکھی ہے۔

کیونکہ میں نے یہ کہانیاں بچّوں کے لئے لکھی ہیں۔ اِسی لئے اُن میں مُشکل لفظ نہیں ہیں۔ مُشکل لفظوں کا ویسے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف اِس لیے ہوتے ہیں کہ ابّو پر یا ماسٹر صاحب پر ذرا رُعب پڑ جائے۔ اگر رُعب ہی ڈالنا ہے تو میں دو چار مُشکل لفظ لِکھ رہا ہوں وہ پڑھ کر رُعب ڈال دینا۔ مفقود الخبر۔ دُر فنتنی۔ صُبحِ کاذب اولو العزم وغیرہ۔ میری توبہ۔ ایسے لفظ نہ میں پڑھتا ہوں نہ تُم پڑھو۔ تُم بس کہانیاں پڑھو۔

خوش رہو۔

شعیب ہاشمی

سمندر کیسے نمکین ہوا

یورپ کی لوک کہانی

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ ایک بھائی تو بہت امیر تھا اور دوسرا بڑا غریب۔ ایک دِن غریب بھائی امیر کے گھر گیا اور کہنے لگا۔ "بھائی ہمیں کُچھ کھانے کو دو۔ آج تو گھر میں کُچھ بھی نہیں ہے۔" امیر بھائی بڑا بدمزاج تھا مگراُس نے ایک بکرے کی ران لاکر غریب بھائی کو دی اور کہہ دیا کہ یہ لے لو اور بھاگو یہاں سے۔

غریب بھائی ران لے کر چل پڑا۔ کُچھ ہی دُور گیا تھا کہ ایک سفید داڑھی والا بابا ملا۔ بابا کہنے لگا "بیٹا میں بھوکا ہوں مُجھے کُچھ کھانے کو دو۔" غریب بھائی فوراً بولا۔ "بابا جی! میرے پاس تو صرف یہ ران ہے۔ آپ میرے گھر آئیں میں آپ کو پکا کر کھلاؤں گا۔"

"میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا۔" بابا بولا۔ "مگر کیونکہ تُم اچھّے آدمی ہو میں تمہیں ایک بڑے کام کی بات بتاتا ہوں۔ اُس سامنے والے گھر میں کُچھ لوگ رہتے ہیں جِن کے پاس ایک عجیب و غریب چکّی ہے۔ اُس کی خاصیت یہ ہے کہ جو کُچھ چاہو وہ خود بخود اُس میں سے نِکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ چکّی میں سے ہر چیز نکلتی ہے۔ سوائے گوشت کے۔ تُم وہاں جاؤ اور اُن لوگوں کو یہ گوشت دے کر اُن سے یہ چکّی لے لو۔"

غریب بھائی یہ سُن کر اُس گھر میں چلا گیا۔ وہاں کُچھ لوگ تھے۔ گوشت کی ران دیکھ کر اُن کی رال ٹپک پڑی۔ انھوں نے گوشت خریدنے کی بہت کوشش کی مگر اُس نے اِنکار کر دیا۔ کہنے لگا۔ "میں یہ گوشت بیچوں گا نہیں البتّہ وہ سامنے جو چکّی پڑی ہے وہ دے دو تو گوشت لے لو۔"

پہلے تو اُن لوگوں نے انکار کیا مگر گوشت دیکھ کر رہ نہ سکے۔ سو فیصلہ ہو گیا۔ گوشت انہوں نے لے لیا اور چکّی غریب بھائی کو مل گئی۔

وہ یہ چکّی لے کر اُسی بابا کے پاس آیا تو بابا نے اُسے چکّی سے کام لینے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ خوشی خوشی وہ چکّی لے کر بیوی کے پاس آیا۔ چکّی زمین پر رکھی اور بس۔ چکّی کو جس چیز کا حُکم دیتے وہ چلنا شروع کر دیتی اور وہی چیز اُس میں سے نکلنی شروع ہو جاتی۔ طرح طرح کے کھانے اور چاندی کی پلیٹیں اور پرچیں اور سونے کے چمچے اور نہ جانے کیا کیا۔ کُچھ ہی دِن میں امیر بھائی کو بھی چکّی کا حال پتہ چل گیا۔ وہ بھاگا ہوا غریب بھائی کے گھر آیا۔ کُچھ منّت کی۔ کُچھ رُعب دیا اور وہ چکّی اُس سے لے لی اور گھر لے گیا۔

گھر لے جا کر چکّی کو حُکم دیا۔ " تلے ہوئے جھینگے اور پراٹھے بناؤ۔" اور چکّی میں سے کھٹا کھٹ جھینگے اور پراٹھے نکلنے شروع ہو گئے۔

اور پھر امیر بھائی کو یاد آیا کہ چکّی کو روکنے کا طریقہ تو اُس کو آتا ہی نہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں سارا گھر پراٹھوں سے بھر گیا۔ اور امیر بھائی چکّی کو لے کر واپس بھاگا۔ "ارے بھائی اِس کو بند کرو ورنہ سارا شہر پراٹھوں سے بھر جائے گا۔"

غریب بھائی نے چُپکے سے چکّی کو ایک لفظ کہا اور چکّی رُک گئی۔

وقت گزرتا گیا اور چکّی کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ اِس ملک میں ایک ملّاح رہتا تھا۔ جو کہ بڑا لالچی تھا۔ اُس نے چکّی کا حال سُنا تو غریب بھائی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ "اس چکّی کی جو قیمت مانگو میں دوں گا۔" غریب بھائی تو اب امیر ہو چُکا تھا۔ سب کُچھ تھا اُس کے پاس۔ اُس نے چکّی ملّاح کو مُفت دے دی اور ملّاح چکّی لے کر اپنے جہاز پر چلا گیا۔ اور جہاز پر پہنچ کر پہلے تو اُس نے چکّی کو نمک پیسنے کا حُکم دیا۔ چکّی نے فوراً نمک پیس پیس کر نکالنا شروع کر دیا۔

مگر ملّاح بھی لالچ میں چکّی کو روکنے کا طریقہ تو پوچھنا ہی بھُول گیا تھا۔

"ارے رُک جا کم بخت چکّی۔" وہ چیخا اور بہت شور مچایا مگر چکّی تھی کہ پیستی چلی گئی۔ سارا جہاز نمک سے بھر گیا اور ڈوب کر سمندر کی تہہ میں چلا گیا۔ ساتھ ہی چکّی بھی چلی گئی۔ اور وہ چکّی آج تک سمندر کی تہہ میں پڑی نمک پیس رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سمندر کا پانی نمکین ہے۔

دنیا رنگ رنگیلی

انگلستان کی لوک کہانی

اب سے بہت سال پہلے جب زمین بالکل جوان تھی تو دُنیا میں کوئی رنگ نہ تھا۔ ہر چیز یا کالی تھی یا سفید تھی یا پھر سلیٹی۔ سب پھُول بُوٹے بھی اور سب جانور اور پرندے بھی۔

سورج بے چارہ روز اِس بھدّی سی زمین پر چمکتا اور کوئی رنگ تلاش کرنے کی بہت کوشش کرتا۔ مگر کوئی رنگ نہ ملتا۔ اور پھر ایک دِن جب سورج بالکل ہمّت

ہارنے والا تھا تو اُسے دُور تھوڑا سا رنگ دِکھائی دیا۔

ایک گھنے کالے جنگل کے بیچ میں ایک بڑا سا لال رنگ کا انڈا پڑا تھا۔ رنگ دیکھ کر سورج بہت خوش ہوا۔ اور انڈا بھی سورج کو دیکھ کر خوب چمکا۔ سب جانور بھی انڈے کو دیکھنے آ گئے۔ کالے رنگ کے شیر، چیتے اور سفید خرگوش۔ اور خرگوشوں نے تُو انڈے کو اتنا گھورا کہ اُس کی چمک سے اُن کی آنکھیں گلابی ہو گئیں اور آج تک ویسی ہی ہیں۔ روز سورج انڈے پر چمک چمک کے اُس کو گرم کرتا اور انڈا بھی گرمی سے بڑا ہوتا گیا اور بہت سے رنگ اُس میں جھلکنے لگے۔ ہر طرح کے کالے اور سلیٹی جانور بھی روز اُسے دیکھنے آئے۔

اور پھر ایک دِن انڈا ٹوٹ گیا۔ اور اُس میں سے ایک بڑا سا پرندہ نِکلا۔ پرندے کے پروں میں دُنیا کا ہر رنگ تھا۔ لال، نیلا، پیلا، ہرا، سنہری۔ پرندہ درخت کی ٹہنی پر بیٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پرندہ ایک سو سال انڈے میں بیٹھا رہا تھا اور سوچتا رہا تھا کہ نکل کے دُنیا دیکھوں گا۔ اور دُنیا جب دیکھی تو بہت بھدّی تھی۔ سب کالی کالی اور سلیٹی۔

پرندے کو بہت افسوس ہوا۔ اور پھر اُس نے سر اُٹھا کر سورج کی طرف دیکھا۔ سورج اُسے بہت خوبصورت لگا اور اُس نے سوچا مُجھے تو سورج کے پاس جا کر رہنا چاہیے۔ اور وہ پَر لہراتا ہوا سورج کی طرف چل پڑا۔

اڑتا ہوا وہ جُوں جُوں سورج کے قریب پہنچتا گیا اُس کے پَروں میں سے رنگ رِس رِس کر نیچے گِرنے لگے۔ ہرا رنگ پتوں اور گھاس پر گرا اور وہ سب ہرے ہو

گئے۔ بہت سے رنگ پھُولوں اور تتلیوں پر گِرے اور وہ سب رنگین ہو گئے۔

کوّے درخت میں چھُپے باتیں کرنے میں اِتنے مصروف تھے کہ اُن کوئی رنگ نہ گِرا اور وہ کالے ہی رہے۔ مگر بِلّی پر بھُورا رنگ گِرا اور وہ بھوری ہو گئی۔

لمبی گھاس میں کالا شیر چھُپا بیٹھا تھا۔ پیلا رنگ اس پر گِرا۔ جہاں جہاں گھاس تھی وہ جگہ کالی ہی رہی اور باقی پیلا ہو گیا۔

اُس دِن گرمی بہت تھی۔ سارے ہاتھی پانی میں گھُسے ہوئے تھے۔ پانی تو نیلا ہو گیا مگر ہاتھی سلیٹی ہی رہے۔

دُنیا کی ہر چیز میں رنگ بھر گیا۔ اور پرندہ جب سورج کے بالکل پاس پہنچ گیا تو آسمان بھی گہرا نیلا ہو گیا۔

اور بس پرندہ سورج کے پاس پہنچ گیا اور دونوں نے اکٹھّے رہنا شروع کر دیا اور جب تک دونوں اکٹھّے ہیں دُنیا ایسی ہی رنگ رنگیلی رہے گی۔

بُدّھو لڑکا

جرمنی کی لوک کہانی

بہت دِنوں کی بات ہے ایک چھوٹے سے جنگل میں ایک چھوٹی سی کُٹیا میں ایک بُڑھیا رہتی تھی ۔ اُس بُڑھیا کا ایک ہی بیٹا تھا اور بیٹے کا نام تھا بنٹو۔ دونوں ماں بیٹا بہت غریب تھے ۔

ایک دِن بُڑھیا بنٹو سے کہنے لگی کہ بیٹا ایسے تو گزارہ مُشکل ہے ۔ تُو اب جوان ہو گیا ہے ۔ جا کوئی کام کاج کر کچُھ کما کے لا۔

بنٹو چل پڑا اور چلتے چلتے قریب کے گاؤں پہنچ گیا۔ وہاں ایک زمیندار کے ہاں کُچھ کام ہو رہا تھا۔ بنٹو نے بھی کام شروع کر دیا۔ جب شام کو کام ختم ہوا تو زمیندار نے چاندی کا ایک روپیہ بنٹو کو مزدوری دی۔ بنٹو نے وہ روپیہ اپنے جوتے میں رکھ لیا اور گھر چل پڑا۔ اور روپیہ کہیں راستے میں گر گیا۔

بنٹو کی امّی کو جب پتہ چلا تو وہ کہنے لگیں۔ ارے بُدّھو لڑکے روپے کو جیب میں ڈالنا تھا نا۔ "اچھا۔ اب ایسا ہی کروں گا۔" بنٹو نے کہا۔

اگلے دِن بنٹو پھر گاؤں چلا گیا اور ایک گوالے کے ہاں کام کرنے لگا۔ گوالے کی بہت سی گائیں بھینسیں تھیں۔ شام کو کام ختم ہوا تو گوالے نے مزدوری میں ایک گھڑیا دُودھ کی بنٹو کو دی۔ بنٹو کو اپنی ماں کا کہا یاد تھا۔ اُس نے سارا دُودھ اپنی جیب میں اُنڈیل لیا اور چل پڑا اور گھر پہنچنے تک سارا دُودھ بہہ گیا۔

اُس کی ماں پھر کہنے لگی۔ "بُدّھو لڑکے گھڑیا کو سر پر رکھ کے لانا تھا۔"

"اچھّا امّاں اب کے ایسا ہی کروں گا۔"

اگلے دِن بنٹو نے ایک اور کسان کے ہاں کام کیا جس کے پاس بہت سی مُرغیاں تھیں۔ تو شام کو کسان نے ایک درجن انڈے بنٹو کو مزدوری میں دیے۔ بنٹو نے انڈے سر پر رکھے اور چل پڑا اور گھر پہنچنے تک سب انڈے گِر گِر کر ٹوٹ گئے۔

"بُدّھو لڑکے انڈوں کو ہاتھ میں پکڑ کر لانا تھا۔" اُس کی ماں نے کہا۔

"اچھّا امّاں اب کے ایسا ہی کروں گا۔"

اگلے دِن بنٹو پھر کام پر نِکلا اور شام کو ایک موٹی تازی بِلّی مزدوری میں ملی۔ بنٹو نے بِلّی کو ہاتھوں میں پکڑا اور گھر چل پڑا مگر بِلّی نے اُس کو وہ پنجے مارے کہ بے چارے کو چھوڑنی پڑی۔

"بُدھو لڑکے بِلّی کے گلے میں رسّی باندھ کر لانا تھا۔" امّی نے کہا۔

"اچھّا امّاں اب کے ایسا ہی کروں گا۔"

اگلے دِن بنٹو ایک قصائی کے ہاں نوکر ہو گیا اور شام کو کام ختم ہوا تو قصائی نے بکرے کی ایک ران مزدوری میں دی۔ بنٹو نے ران کو رسّی باندھی اور گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ سارے گاؤں کے کتّے پیچھے لگ گئے اور گھر پہنچنے تک گوشت تو کُتّے کھا گئے، صرف ہڈّی بنٹو کے پاس رہ گئی۔ "بُدّھو لڑکے ران کو کندھے پر رکھ کر لانا تھا۔"

"اچھّا امّاں اب کے ایسا ہی کروں گا۔"

اگلے دِن بنٹو نے ایک گڈریے کے ہاں مزدوری کی اور شام کو ایک بکری مزدوری میں ملی۔ بنٹو نے بکری کو کندھے پر اُٹھایا اور چل پڑا۔

راستے میں ایک بہت امیر آدمی کا گھر آتا تھا۔ اُس کی ایک ہی لڑکی تھی جو بہت خوبصورت تھی۔ مگر ہنستی کبھی نہ تھی۔ امیر آدمی نے کہا ہوا تھا کہ جو بھی اِس کو ہنسائے گا، اُسی سے اِس کی شادی کر دوں گا۔ وہ لڑکی اپنی کھڑکی میں سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے جو بنٹو کو کندھے پر بکری اُٹھائے ہوئے دیکھا تو اِتنا ہنسی اتنا ہنسی کہ حد نہیں۔

لڑکی کا باپ اُس کو ہنستے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے بنٹو کو گھر کے اندر بُلا لیا۔ اُس لڑکی اور بنٹو کی شادی ہو گئی اور باپ نے بنٹو کو بہت سا پیسہ دے دیا۔ بنٹو نے ایک بڑا سا گھر خرید لیا اور بنٹو اور اُس کی ماں اور اُس کی بیوی اُس میں خوشی خوشی رہنے لگے۔

ماشا کی کہانی

روس کی لوک کہانی

ماشا ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جو اپنے نانا اور نانی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی۔

ایک دِن ماشا کے سب دوست جنگل میں بیر توڑنے جا رہے۔ ماشا کا بھی جی چاہا کہ اُن کے ساتھ جائے۔ اُس کے نانا نے اجازت تو دے دی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "دیکھنا دھیان کرنا۔ جنگل میں کہیں راستہ نہ بھول جانا۔"

سب دوست جنگل میں چلے گئے اور جھاڑیوں پر سے بیر توڑنے لگے۔ ماشا نے بھی بہت سے بیر اکٹھے کئے۔ لیکن نئی سے نئی جھاڑی کی تلاش میں وہ باقی دوستوں سے بہت دُور نکل۔ اور جب اُسے ہوش آیا تو آس پاس کوئی بھی نہ تھا۔ اور نہ اُسے راستہ پتہ تھا۔

گھنے جنگل کا سب سے گھنا حصّہ تھا اور ماشا کو ڈر لگ رہا تھا۔ اچانک سامنے اُسے ایک چھوٹا سا گھر نظر آیا۔ ماشا نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی نہ بولا۔ وہ دروازہ کھول کے اندر چلی گئی۔ اور سوچنے لگی۔ "یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ جانے اِس گھر میں کون رہتا ہے۔"

اُس گھر میں دراصل ایک بہت بڑا بھالو رہتا تھا۔ جو کہ جنگل میں سیر کرنے گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو ماشا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ "اے لڑکی! اب تُو ہمیشہ یہیں رہے گی اور میرا کھانا پکائے گی اور میری خدمت کرے گی۔ ہو ہو۔" اور ماشا نے وہیں رہنا شروع کر دیا۔ کُچھ دِن تو بہت اُداس رہی۔ پھر صبر کر لیا۔ اور کرتی بھی کیا اُس کو تو وہاں سے گھر کا راستہ بھی نہیں آتا تھا۔

مگر سارا وقت وہ سوچتی رہتی کہ کیسے اپنے نانی نانا کے پاس پہنچے۔ اور آخر کار اُس کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ اُس دِن شام کو جب بھالو گھر آیا تو ماشا کہنے لگی۔ "بھالو میاں! مُجھے ایک دِن کے لئے اپنے گاؤں چلا جانے دو۔ میں اپنی نانی کے لیے حلوہ پکا

کے لیے جانا چاہتی ہوں۔"

"نہیں لڑکی نہیں۔" بھالو غُرّایا۔ "تُو جنگل میں راستہ بھُول جائے گی۔ حلوہ پکا کے مُجھے دے دے۔ میں خود اُنہیں پہنچا دوں گا۔"

بس یہی تو ماشا چاہتی تھی۔

اُس نے حلوہ پکایا۔ ایک تھالی میں ڈالا اور تھالی ایک بڑی سی ٹوکری میں رکھ دی۔ اور کہنے لگی "لو یہ لے جاؤ۔ مگر دیکھو راستے میں نہ تو ٹوکری کھولنا اور نہ حلوہ کھانا۔ میں ایک اُونچے درخت پر چڑھ کر تمہیں دیکھتی رہوں گی۔ اور میری نظر بڑی تیز ہے۔"

"اچھّا بابا اچھّا۔" بھالو بولا۔ "لا دے ٹوکری۔"

"اچھا ذرا پہلے باہر نکل کے تو دیکھ لو کہیں بارش تو نہیں ہو رہی۔" ماشا بولی اور بھالو باہر نکلا تو ماشا جھٹ سے خود ٹوکری میں بیٹھ گئی۔ حلوے کی تھالی سر کے اُوپر رکھ لی اور ٹوکری بند کر لی۔

بھالو واپس اندر آیا۔ ٹوکری کندھے پر اُٹھائی اور گاؤں کی طرف چل پڑا۔ گاؤں خاصہ

دُور تھا، چلتے چلتے بھالو تھک کے چور ہو گیا۔ راستے میں ایک ندی آئی تو بھالو کہنے لگا۔ ندی کا کنارہ ہے اور حلوے کی خوشبو بھی آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے یہیں بیٹھ کے آرام کر لوں اور تھوڑا سا حلوہ بھی اُڑا لوں۔"

اور ماشا فوراً ٹوکری میں سے بولی۔ "میں دیکھ رہی ہوں۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ خبر دار تُم بیٹھے اور خبر دار جو تُم نے میری نانی کا حلوہ کھایا۔" "ارے تیرے کی۔ اِس لڑکی کی آنکھیں تو بہت ہی تیز ہیں۔" بھالو بولا اور جلدی جلدی ٹوکری اُٹھا کے پھر چل پڑا۔

اور چلتے چلتے جب تھکان سے بالکل گِرنے لگا تو پھر اُس نے کہا۔ "گاؤں تو ابھی دور ہے اور حلوے کی خوشبو آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے تھوڑا سا اُڑا لوں۔"

اور ماشا پھر ٹوکری میں سے بولی۔ "میں دیکھ رہی ہوں۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ خبر دار جو تُم نے حلوہ کھایا۔"

"ارے باپ رے باپ۔" بھالو کہنے لگا۔ "یہ لڑکی تو بڑے کمال کی ہے۔ میرے گھر کے پاس درخت پر بیٹھی ہے اور اِتنی دُور سے میری ہر بات دیکھ بھی رہی ہے اور سُن بھی رہی ہے۔"

اور سٹپٹا کے اُس نے ٹوکری اُٹھائی اور جلدی جلدی ماشا کے گھر پہنچا۔ اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

مگر اِتنی دیر میں گاؤں کے کتّوں کو بھالو کی بُو آ گئی تھی۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر بھونکتے ہوئے اُس کے پیچھے پڑ گئے۔ اور بھالو جو گھبرایا تو ٹوکری وہیں دروازے پر چھوڑ کے بھاگا سیدھا اپنے گھر کی طرف۔ شور سُن کے ماشا کے نانا باہر نکلے تو دیکھا ایک ٹوکری پڑی ہے۔ اور ٹوکری جو کھولی تو ماشا جیتی جاگتی ہنستی ہوئی باہر نکل آئی۔ نانا اور نانی نے ماشا کو خوب پیار کیا۔ اور اُس کی عقل مندی پر بھی بہت شاباش دی۔ اور سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

اُلّو

رومانیہ کی لوک کہانی

بوڑھا بیانکی ایک دِن اپنے باغ میں بیٹھا تھا۔ چائے میں خوب دُودھ اور ملائی ڈال ڈال کے پی رہا تھا۔ اُوپر سے ایک اُلّو اُڑتا ہوا گزرا۔

"خوب چائے اُڑ رہی ہے دوست۔" اُلّو کہنے لگا۔

"ارے میں تیرا دوست کہاں۔ تُو تو ڈاکو ہے۔ سارا دِن چھُپتا ہے اور رات کو نکل آتا ہے ڈاکے ڈالنے۔" بیانکی ذرا بد مزاج تھا۔ اُلّو کو بھی یہ سُن کے غصّہ آ گیا "اچھّا تو

اب سے نہ رات کو تیرے کھیت میں آؤں گا اور نہ چوہے پکڑوں گا۔ خود ہی پکڑ لینا۔"

"ارے جا بڑا آیا چوہے پکڑنے والا۔" بیانکی بولا۔ "بھاگ نہیں تو سب پر اُکھیڑ کے ٹوپی میں لگا لوں گا۔"

اور اُلّو اُڑ گیا اور درخت کی کھوکھ میں جا کے بیٹھ گیا اور اِرادہ کر لیا کہ باہر نہیں نکلے گا۔ رات ہوئی تو کھیت کے چوہوں میں ہلچل مچ گئی۔ "اُلّو کا آج کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ آ جاؤ آ جاؤ۔" سب چوہے بِلوں سے باہر نکل آئے اور کھیت میں پھرنے لگے۔

اُلّو کھوکھ میں بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ "بڑے میاں دھیان کر لو۔ سب چوہے بِلوں سے نِکل آئے ہیں۔" اُس نے آواز دی۔

"اجی چوہے میرا کیا بگاڑ لیں گے۔" بیانکی بولا۔

اتنے میں چوہوں کو شہد کی مکھّیوں کا چھتّہ مِل گیا۔ اور انھوں نے سارا چھتّہ برباد کر دیا اور مکھیوں کو بھگا دیا۔

"بڑے میاں کُچھ ہوش کر لو۔" اُلّو بولا۔ "چوہوں نے سب شہد کی مکھّیاں بھگا دی ہیں۔"

"تُو میری خالائیں لگتی ہیں کیا مکھّیاں۔ بھاگ جائیں۔"

اُدھر گھاس میں پھول نکلے ہوئے تھے۔ اور گھاس کے پھولوں کے بیج تو شہد کی مکھّیاں ہی پھیلاتی ہیں نا۔

"مکھّیاں نہ ہوئیں تو گھاس مر جائے گی۔" اُلّو کہنے لگا۔

"اجی ہوا سے پھیل جائیں گے گھاس کے بیج۔" بوڑھا بولا۔ مگر کُچھ سوچ میں پڑ گیا۔

اور وہی ہوا۔ ہوا چلی تو گھاس کے بیج بھی گِر گئے اور پھول بھی جھڑ گئے۔

"بڑے میاں ذرا اپنی بھینس کا دھیان کرو گھاس مرتی جا رہی ہے اور بھینس تمہاری بھوکی ہے۔" اُلّو نے کہا

اور اب کے بوڑھا کُچھ نہ بولا بولتا بھی کیا۔ گھاس واقعی مرنے لگی۔ اور بھینس سوکھنے لگی اور اُس کا دُودھ بھی پانی کی طرح ہو گیا۔

اور آخر کار بُوڑھا اُلّو کے پاس آیا۔ "بھائی اُلّو میری مدد کرو۔ میرا تو سارا کھیت ملیا میٹ ہو گیا۔"

اُلّو نے دو چار دفعہ آنکھیں جھپکیں اور بوڑھے کو معاف کر دیا۔ "ہاں بڑے میاں مُجھے بھی چوہا کھائے کافی دِن ہو گئے ہیں۔"

اُلّو کھوکھ سے نکل کر کھیت کی طرف چلا۔ اور چوہے ڈر کے اپنے اپنے بِلوں کی طرف بھاگے۔ اور مکھّیاں گھاس اور پھُولوں پر منڈلانے لگیں۔ گھاس پھر سے ہری بھری ہو گئی اور بھینس نے خوب کھائی اور بہت سا دُودھ دیا۔

اور بوڑھے بیانکی نے ملائی والی چائے بنائی اور اُلّو کو بھی بُلا لیا اور دونوں نے خوب گپ لگائی اور خوب چائے پی۔

بہادر دربان

فرانس کی لوک کہانی

پہاڑی کی چوٹی پر ایک بہت ہی خوبصورت محل تھا۔ اور اُس محل میں ایک راجہ رہتا تھا۔ راجہ کی ایک ہی بیٹی تھی۔ جو کہ خوبصورت بھی تھی اور خوش مزاج بھی۔ راجہ اُس کو بہت پیار کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی بہت ہی اچھّے آدمی سے اُس کی شادی ہو جائے۔ بہت سے شہروں سے بہت سے لوگ پیغام لے کر آئے مگر نہ تو وہ راجہ کو پسند آئے نہ اُس کی بیٹی کو۔

اور پھر آخر کار ایک شہزادہ وہاں آیا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت بہادر بھی ہے اور نیک دِل بھی۔ اور جب وہ آیا تو راجہ کو بھی کُچھ کُچھ پسند آیا۔ شہزادہ نیزہ بازی بھی بڑی اچھّی کرتا تھا اور سواری بھی۔ اور باتیں بھی بڑے مزے کی کرتا تھا۔ لیکن راجہ کی اب بھی تسلّی نہ ہوئی تھی۔

راجہ اور اُس کی بیٹی اور شہزادہ باغ میں پھر رہے تھے۔ اور باتیں کرتے کرتے باغ کے پچھلے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں دروازے پر ایک دربان کھڑا تھا۔ اُس نے زور سے آواز دی۔

"اے بھائی رُک جاؤ۔"

"ارے نالائق ہمیں روکتا ہے۔ جانتا نہیں ہم کون ہیں؟" شہزادہ غصّے سے بولا۔ اور تلوار نکال کر اُس نے دربان پر حملہ کر دیا۔ مگر کمال ہو گیا کہ دربان نے اُس کا ہر وار روک دیا۔ شہزادے نے تلوار کے بڑے بڑے داؤ پیچ مارے مگر دربان نے سب روک دیئے۔ اور شہزادے نے اور لڑنا چاہا تو دربان نے ایک بھڑوں کا چھتّہ اُس پر پھینک دیا۔ بھڑیں شہزادے کے کپڑوں کے اندر گھُس گئیں اور شہزادہ "ہائے۔

اوئی۔ کاٹ کھایا۔" چلّاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

اب دربان کہنے لگا کہ "جناب میں نے تو آپ کو اِس لیے روکا تھا کہ اِس دروازے کے باہر ایک بہت بڑا اژدہا آگیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ شہزادے صاحب کو بتا دوں تا کہ وہ اژدہے کو مار دیں۔"

"ہائیں۔ اژدہا۔" شہزادے کی تو جان خُشک ہو گئی۔ اور سب لوگوں نے جھانک کے

دیکھا تو باہر ایک بہت بڑا گلابی رنگ کا اژدہا تھا۔

شہزادے نے بہانے سے اپنا گھوڑا منگوایا اور سوار اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا۔ راجہ اور اُس کی بیٹی بھی کے واپس محل میں آ گئے۔ دوسرے دِن صُبح اُن کی یہ دیکھ کر جان نِکل گئی کہ گلابی اژدہا محل کے اندر چلا آ رہا ہے۔ اور پھر جو غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ اژدہا نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑا غُبارہ تھا جس پر اژدہا کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اور غبارے کی رسّی اُسی دربان نے پکڑ رکھی تھی۔

"جناب یہ اصلی اژدہا نہیں تھا۔" دربان کہنے لگا۔ "میں نے تو یہ کھیل کھیلا تھا تا کہ پتہ چل جائے کہ شہزادہ واقعی بہادر ہے یا نہیں۔"

راجہ اور اُس کی بیٹی حیران رہ گئے کہ یہ دربان شہزادے سے ہارا بھی نہیں۔ اور ساری بات بھی سچ بتا رہا ہے اور شہزادے کا پتہ کرنے کی ترکیب بھی کیسی اچھی نکالی۔

بس پھر اُسی دربان سے راجہ کی بیٹی کی شادی ہو گئی۔ اور کہانی ختم۔

سب سے طاقتور کون

آسٹریا کی لوک کہانی

ایک خرگوش ایک دِن جنگل میں بھاگا جا رہا تھا۔ راستے میں کیچڑ تھا۔ خرگوش جو کیچڑ پر سے پھسلا تو دھڑام سے گِر پڑا۔

"کیچڑ میاں تُم بہت طاقت ور ہو۔ مُجھے گِرا دیا۔" خرگوش کہنے لگا۔

"اجی چھوڑو۔" کیچڑ بولا۔ "میں کہاں طاقت ور ہوں۔ طاقت ور تو سورج ہے جو مُجھے ایک منٹ میں سُکھا دیتا ہے۔"

"اچھا؟" خرگوش نے کہا۔ اور پھر سورج کی طرف دیکھا اور بولا۔ "سورج میاں تُم بہت طاقت ور ہو۔"

"ہاں کیچڑ کو تو سُکھا دیتا ہوں۔" سورج کہنے لگا۔ "لیکن بارش ہوتی ہے تو ہر چیز کو پھر گیلا کر دیتی ہے۔"

خرگوش بھاگا ہوا بارش کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ "بی بارش سُنا ہے تُم سورج سے بھی زیادہ طاقت ور ہو۔"

"مُجھ سے زیادہ طاقت ور تو گھاس ہے۔" بارش بولی۔ "جہاں جی چاہے اُگ آتی ہے۔"

خرگوش گھاس کے پاس پہنچا اور بولا۔ "بی گھاس سُنا ہے تُم بارش سے بھی زیادہ طاقت ور ہو۔"

"میں کہاں طاقت ور ہوں۔" گھاس کہنے لگی۔ "طاقت ور تو گائے ہے جو مُجھے کھا جاتی ہے۔"

خرگوش گائے کے پاس پہنچا۔ "بی گائے سُنا ہے تُم سب سے زیادہ طاقت ور ہو۔"

"اجی کہاں۔" گائے بولی۔ "مُجھ سے طاقت ور تو بھیڑیا ہے جِس سے مُجھے بھی ڈر لگتا ہے۔"

سو خرگوش بھیڑیے کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ "بھائی بھیڑیے تُم بہت طاقت ور ہو۔ تُم سے تو گائے بھی ڈرتی ہے۔"

"دراصل طاقت ور تو شکاری ہے۔" بھیڑیا بولا۔ "جو روز کے دو بھیڑیے مارتا ہے۔"

اتنے میں شکاری بھی وہاں آ گیا تو خرگوش کہنے لگا۔ "شکاری جی سُنا ہے تُم بہت طاقت ور ہو۔"

"طاقت ور تو کم بخت چوہا ہے۔" شکاری بولا۔ "دیکھو میری بندوق کا خول کُتر گیا ہے۔"

خرگوش بھاگا ہوا چوہے کے پاس پہنچا۔ "چوہے میاں پتہ چلا ہے کہ تُم سب سے طاقتور ہو۔"

چوہے نے کُچھ سوچا اور کہنے لگا۔ "جناب سب سے طاقت ور تو بلّی ہے جو نو سو چوہے کھا چُکی ہے۔"

خرگوش نہ سن کر بلّی کے پاس گیا اور بولا۔ "بی بلّی پتہ چلا ہے کہ تُم سب سے طاقت ور ہو۔"

"ہوں ہوں۔" بلّی بولی اور اِس زور سے غرّائی کہ خرگوش بے چارہ ڈر کے وہاں سے

بھاگا۔

پاس ہی چوہا چھُپا بیٹھا تھا اور یہ سب کُچھ دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "دیکھا۔ یہی تو میں کہتا تھا کہ سب سے طاقت ور تو بلّی ہے۔"

ڈھنگ کی بانٹ

ناروے کی لوک کہانی

ایک غریب کسان کو ایک دفعہ کچُھ پیسوں کی ضرورت پڑی۔ اُس نے سوچا چلو چل کے گاؤں کے چودھری سے اُدھار مانگ لیتے ہیں۔ مگر کسی کے گھر خالی ہاتھ جانا اُس کو اچھا نہ لگا۔ سو وہ جاتے ہوئے ایک مُرغی ساتھ

لے گیا۔ اور جا کے کہہ دیا۔ "جناب آپ کے لئے یہ تحفہ لایا ہوں۔"

چودھری کہنے لگا۔ "بھائی تُحفے کا بہت شکریہ۔ مگر گھر میں ہم چھ لوگ ہیں۔ میں، میری بیوی، میری دو بیٹیاں اور دو بیٹے۔ تو ہم لوگ اِس مُرغی کو آپس میں ڈھنگ سے بانٹیں کیسے؟"

"لو یہ کیا مُشکل ہے۔" کسان بولا۔ "میں ابھی بانٹ دیتا ہوں۔"

اور پھر اُس نے مُرغی کو حلال کیا اور پہلے تو سر کاٹ کے چودھری کو دے دیا۔ "آپ گاؤں کے سردار ہیں اِس لیے سر تو آپ لے لیں۔"

پھر اُس نے دُم کاٹ کر چودھری کی بیوی کو دے دی۔ "آپ کو باورچی خانہ میں گرمی لگتی ہوگی۔ اِس سے پنکھا جھل لیا کریں۔"

پھر دونوں پنجے کاٹ کر لڑکوں کو دے دیے۔ "تُم لوگوں کو بہت دوڑ دھوپ کرنی ہوتی ہے۔ سو ٹانگیں تُم لے لو۔"

اور پھر دونوں پَر کاٹ کر دونوں لڑکیوں کو دے دیے۔ "تُم دونوں کی جب شادی ہو گی تو چِڑیوں کی طرح یہاں سے اُڑ جاؤ گی۔ سو یہ پَر تُم لے لو۔"

"اور باقی جو کُچھ بچا کھُچا ہے وہ میں لے لیتا ہوں۔" اور یہ کہہ کر کسان نے باقی ساری مُرغی خُود رکھ لی۔ چوہدری اِس بات پر بہت ہنسا۔ اور اُس نے خوش ہو کر کسان کو بہت سے پیسے بھی دے دیے۔

یہ قصّہ ایک اور کسان تک بھی پہنچا جو کہ تھا تو امیر مگر لالچی بہت تھا۔ اُس نے سوچا

مُجھے بھی چوہدری سے کُچھ پیسے ہتھیانے چاہئیں۔ سووہ پانچ مُرغیاں پکواکرساتھ لئے چوہدری کے گھر پہنچ گیاکہ جناب آپ کے لیے تحفہ لایاہوں۔

چودھری نے پھروہی بات کی کہ "بھائی بہت شکریہ مگریہ بتاؤ ہم چھ لوگ اِن کوآپس میں ڈھنگ سے بانٹیں کیسے۔"

امیرکسان نے بہت سوچامگرکُچھ نہ سوجھا۔اِتنے میں وہی غریب کسان کہیں اُدھرآ نکلا۔چوہدری نے فوراًاُسے بُلایا۔"بھائی یہ پانچ مُرغیاں توہم میں ڈھنگ سے بانٹ دو۔"

غریب کسان نے ایک مُرغی توچوہدری اوراُس کی بیوی کودے دی۔"لوجناب آپ دونوں اوریہ مُرغی ملاکے تین ہوگئے۔"

پھرایک مُرغی دونوں بیٹوں کودے دی۔ یہ بھی تین ہوگئے۔ ایک مُرغی دونوں لڑکیوں کودے دی۔۔"یہ بھی تین ہوگئیں۔"

اورباقی دونوں مُرغیاں خُودلے کربولا۔"اوریہ دومُرغیاں اورایک میں، ہم بھی تین ہوگئے۔"

چوہدری پھر خُوب ہنسا۔ اُس نے غریب کسان کو اور انعام دیا اور امیر کسان کی مُرغیاں بھی رکھ لیں اور اُسے ملا بھی کُچھ نہیں۔

چھٹانکی کے کارنامے

آئرلینڈ کی لوک کہانی

ایک غریب لکڑہارے اور اُس کی بیوی کے سات بیٹے تھے۔ اور جو سب سے چھوٹا تھا وہ بہت ہی چھوٹا تھا۔ بس اپنے ابّو کے ہاتھ کے انگوٹھے جتنا۔ اور اسی لئے سب لوگ اس کو چھٹانکی کہتے تھے۔

چھٹانکی تھا تو چھوٹا مگر تھا بہت ہوشیار۔

ایک دفعہ کیا ہوا کہ مُلک میں قحط پڑا۔ لکڑہارے کے پاس نہ تو پیسے رہے نہ کُچھ کھانے کو رہا۔ تو ایک شام لکڑّہارا اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ "اب تو ہمارے پاس کُچھ بھی نہیں جس سے اِن لڑکوں کا پیٹ پال سکیں۔ میں کل اِن کو جنگل میں لے جاؤں گا اور اللہ

کے سہارے وہاں چھوڑ آؤں گا۔"

بیوی یہ سُن کر بہت روئی مگر اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ چھٹانکی ایک چائے کی پیالی میں چھُپا یہ سب کچھ سُن رہا تھا۔ دوسرے دِن جب باپ اُن کو لے کر جنگل کی طرف چلا تو چھٹانکی نے بہت سے چھوٹے چھوٹے پتھّر اپنی جیب میں ڈال لیے۔ جس جس راستے سے باپ اُن کو لے کر جاتا چھٹانکی ایک ایک کر کے پتھّر وہاں گِراتا جاتا تھا۔

باپ اُن کو چھوڑ کر واپس آ گیا۔ شام ہوئی تو باقی بھائی بہت گھبرائے کیونکہ کسی کو گھر کا راستہ نہیں آتا تھا۔ مگر چھٹانکی کہنے لگا۔ "تُم فکر نہ کرو میں تمہیں گھر لے چلتا ہوں۔"

اور اپنے پھینکے ہوئے پتھّروں کے نشان دیکھتا ہوا وہ سب کو گھر لے آیا۔

گھر کے دروازے پر پہنچے تو اندر سے اُن کی امّی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ "ہائے میرے بچّے نہ جانے کہاں ہیں۔ نہ جانے کِس حال میں ہیں۔"

"ہم لوگ دروازے کے باہر ہیں اور بالکل ٹھیک حال میں ہوں۔" سب چلّائے اور

امّی اور ابّو نے بھاگ کر اُنہیں گلے سے لگا لیا۔

مگر اُن کے حالات نہ بدلے اور کُچھ دِن بعد لکڑہارے نے پھر وہی صلاح کی کہ اِن کو جنگل میں چھوڑ آئے۔ چھٹانکی اب کی دفعہ ایک چائے دانی کے پیچھے چھُپا سب کُچھ سُن رہا تھا۔

اگلے دِن جب باپ اُن کو لے کر چلا تو چھٹانکی نے ایک روٹی اپنی جیب میں ڈال لی۔ اور جس راستے سے وہ گئے چھٹانکی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اُس پر پھینکتا گیا۔

باپ گھر آ گیا اور شام کو جب لڑکے گھبرائے تو چھٹانکی پھر بولا۔ "فکر نہ کرو بھائی۔ میں روٹی کے ٹکڑوں کی قطار لگا آیا ہوں اُسے دیکھتے ہوئے ہم گھر پہنچ جائیں گے۔"

مگر روٹی کے ٹکڑے تو پرندے کھا گئے تھے۔ اب تو وہ سب بالکل ہی کھو گئے۔ جنگل سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ اور جب سب ہمّت ہار بیٹھے تو چھٹانکی ایک اُونچے درخت پر چڑھ گیا۔ دُور اُسے ایک گھر دِکھائی دیا تو وہ سب کو لے کر اُدھر چل پڑا۔

جا کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک عورت گھبرائی ہوئی آئی اور کہنے لگی "بھاگ جاؤ

بھاگ جاؤ۔ فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اِس گھر میں ایک جِن رہتا ہے۔ ابھی تو جنگل میں گیا ہوا ہے۔ لیکن اگر اُس نے تمھیں دیکھ لیا تو سب کو کھا جائے گا۔"

اور سب بچّے ڈر کے مارے وہاں سے بھاگے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایسے لگا جیسے آندھی آ رہی ہے اور بادل گرج رہا ہے۔ دراصل وہ جِن پاس ہی سو رہا تھا اور یہ اُس کے خرّاٹوں کی آواز تھی۔

چھٹانکی نے سُن رکھا تھا کہ جِن کے جو جوتے ہیں وہ سات کوس کے جوتے کہلاتے ہیں۔ کیونکہ جو اُن کو پہن لے اُس کا ایک ایک قدم سات کوس کا ہو جاتا ہے۔

چھٹانکی نے بھائیوں کو چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور چُپکے چُپکے جا کے سوتے ہوئے جِن کے تسمے کھول لے۔ جن نے ایک کروٹ لی تو چھٹانکی ڈر سے کانپتا ہوا دو پتّوں کے پیچھے چھُپ گیا۔ مگر جِن جاگا نہیں تو چھٹانکی پھر بڑھا اور آہستہ آہستہ جِن کے جوتے اُتار لیے۔

بس پھر کیا تھا۔ ساتوں بھائی جوتوں میں گھُس گئے۔ اور جوتے جو چلے تو سات سات کوس کے قدم تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں بچّے اپنے گھر پہنچ گئے۔

سب نے چھٹانکی کو بہت شاباش دی۔ اور چھٹانکی نے کمانا بھی شروع کر دیا۔ جب بھی گاؤں میں کسی کو کوئی چیز دُور بھیجنی ہوتی تو چھٹانکی سات کوس کے جوتے پہن کر ایک منٹ میں چھوڑ آتا۔

بونگا بھالو

امریکہ کی لوک کہانی

کھرچو خرگوش ایک دِن بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا کہ اُس نے دیکھا دُور سے بھالو چلا آ رہا ہے۔ بھالو کا سب لوگ بونگا کہتے تھے۔ کیونکہ وہ تھا بھی کُچھ ایسا ہی۔ بونگا سا۔ کھرچو نے سوچا اِس سے کُچھ شرارت کرنی چاہیے۔

پاس ہی کوڑے کرکٹ میں ایک پرانا پیتل کا چراغ پڑا تھا۔ کھرچو نے کھٹ سے وہ چراغ جیب میں ڈال لیا اور بونگو سے کہنے لگا۔

"بھائی بونگو بھالو۔ میرے پاس ایک بڑا عجیب چراغ ہے۔ اگر اپنی یہ نئی ٹوپی تُم مُجھے دے دو تو چراغ تمہیں دے دوں گا۔ دراصل یہ جادُو کا چراغ ہے۔ بس اس کو تھوڑا سا رگڑو تو پھر جو چاہو مل جاتا ہے۔"

"اچھا۔" بونگو بولا۔ اور اس نے اپنی ٹوپی کھرچو کو دے دی اور چراغ لے کے جنگل میں چلا گیا۔ ایک اکیلی سی جگہ پر بیٹھ گیا اور چراغ کو خوب رگڑنا شروع کیا۔ رگڑتا گیا۔

رگڑتا گیا۔ اور کُچھ بھی نہ ہوا۔

اور پھر اُس کو کھرچو کی آواز آئی جو ہنس ہنس کے لوٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "یار بونگو تُم بھی بالکل بونگو ہی ہو۔ ہاہا۔"

بونگا بھالو بے چارہ کان لپیٹ کے بیٹھا رہا اور چراغ کو رگڑتا رہا۔ اتنے میں ڈبّو کُتّا اُدھر سے گزرا۔ کُچھ دیر تو بونگو کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا ہو رہا ہے بونگو بھائی۔"

"خرگوش نے کہا تھا اِس چراغ کو رگڑوں تو جو چاہوں مل جائے گا۔ مگر اصل میں وہ مُجھے اُلّو بنا رہا تھا۔"

"ایسا اُلّو بھی نہیں۔" ڈبّو بولا۔ "ذرا چراغ کو غور سے دیکھو۔ اِس کی ساری مٹّی اُتر گئی ہے۔ مُجھے تو یہ سونے کا بنا ہوا لگتا ہے۔"

"ہائیں!" بھالو چیخا۔ اور دونوں دوست بھاگے ہوئے کچھوے کے پاس پہنچے جو کہ بڑا اچھّا جوہری تھا۔

"ہاں ہے تو سونا ہی۔" کچھوا بولا۔ "بلکہ بالکل خالص سونا

ہے۔ اِس کے تو بہت سے پیسے ملیں گے۔ بونگو جی تُم تو امیر ہو گئے ہو۔"

اور سب لوگ خوب خوش ہوئے۔ سوائے کھرچو خرگوش کے۔

لال مرغی

سکینڈے نیویا کی لوک کہانی

لال مُرغی ایک دِن سیر کر رہی

تھی کہ اُسے ایک

گندم کا دانہ ملا۔

"اس گندم کے

دانے کو کون

بوئے گا۔" لال مُرغی نے کہا۔

"میں تو نہیں بوؤں گا۔" کُتّا بولا۔

"اور میں بھی نہیں بوؤں گی۔" بلّی کہنے لگی۔

"اور میں بھی نہیں بوؤں گا۔" خرگوش بولا۔ "چلو میں بو دیتی ہوں۔" لال مُرغی کہنے لگی۔ "کٹ کٹ کٹاک۔"

اور لال مُرغی نے گندم کا دانہ بو دیا۔ اُس میں سے ایک پودا نکلا اور خوب ہرا بھرا ہو گیا۔ بارش برسی۔ دھوپ چمکی اور وہ پودا بڑا ہو گیا۔ اُس پر گندم لگی اور پک گئی۔

"اِس گندم کو کون کاٹے گا؟" لال مُرغی نے کہا۔

"میں تو نہیں کاٹوں گا۔" کُتّا بولا۔

"اور میں بھی نہیں کاٹوں گی۔" بلّی کہنے لگی۔

"اور میں بھی نہیں کاٹوں گا۔" خرگوش بولا۔

"چلو میں کاٹ لیتی ہوں۔" لال مُرغی کہنے لگی۔ "کٹ کٹ کٹاک" اور مُرغی نے گندم کے دانے نکال کر تھیلی بھر لی۔

"اب اس گندم کو چکّی پر پِسوانے کون لے جائے گا۔" لال مُرغی کہنے لگی۔

"میں تو نہیں لے جاؤں گا۔" کُتّا بولا۔

"اور میں بھی نہیں لے جاؤں گی۔" بلّی کہنے لگی۔

"اور میں بھی نہیں لے جاؤں گا۔" خرگوش کہنے لگا۔

"چلو میں لے جاتی ہوں۔" لال مُرغی بولی۔ "کٹ کٹ کٹاک۔
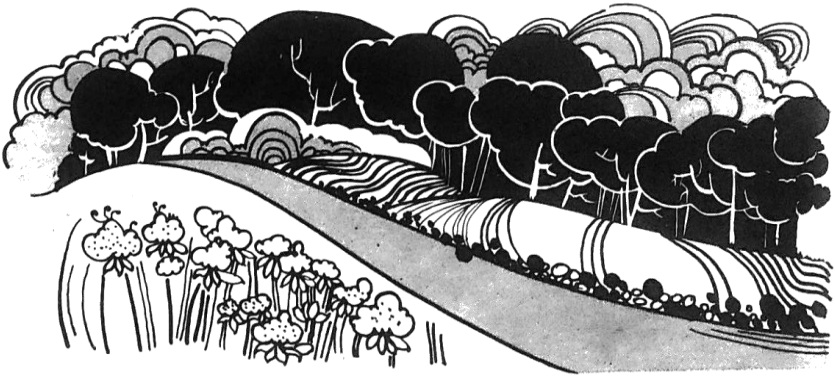
مُرغی گندم کو چکّی پر لے گئی اور اُس کا آٹا پِسوا کر واپس لے آئی۔ "اب اِس کی روٹی کون پکائے گا؟" لال مُرغی کہنے لگی۔

"میں تو نہیں پکاؤں گا۔" کُتّا بولا۔

"اور میں بھی نہیں پکاؤں گی۔" بلّی کہنے لگی۔

"اور میں بھی نہیں پکاؤں گا۔" خرگوش بولا۔

"چلو میں پکا لیتی ہوں۔" لال مُرغی بولی۔ "کٹ کٹ کٹاک۔" اور مُرغی نے آٹا گوندھا اور اُس کی بہت اچھّی روٹی پکائی۔

"اب اِس روٹی کو کون کھائے گا؟" لال مُرغی کہنے لگی۔

"میں کھاؤں گا۔" کُتّا بولا۔

"میں کھاؤں گی۔" بلّی کہنے لگی۔

"میں کھاؤں گا۔" خرگوش بولا۔

"جی نہیں اِسے میں کھاؤں گی۔" لال مُرغی کہنے لگی۔

"کٹ کٹ کٹاک۔" اور لال مُرغی نے بیٹھ کر خوب مزے سے ساری روٹی اُڑائی۔

ادّھوچوزا

ہسپانیہ کی لوک کہانی

ایک زمانے میں ہسپانیہ کے ایک گاؤں میں ایک مُرغا رہتا جو کہ صرف آدھا مُرغا تھا۔ سارا دِن وہ اپنی ایک ٹانگ پر پھُدکتا پھرتا۔ اپنا ایک پَر پھڑپھڑاتا اور ایک آنکھ سے ہر چیز کو گھورتا۔ اُس کا نام تھا "ادّھوچوزا۔ "ادّھوچوزا جب ذرا بڑا ہوا تو اُسے سیر کا شوق چرُایا۔ سو اُس نے سب سے کہہ دیا۔ "بھئی میں تو بڑے شہر جا رہا ہوں۔ وہاں

جا کے سیر کروں گا اور بادشاہ سے بھی ملوں گا۔" اور اپنی ایک ٹانگ پر پھُدکتا چل پڑا۔

کُچھ ہی دُور گیا تھا تو ایک ندّی نظر آئی۔ ندّی کا پانی بہت صاف شفاف تھا مگر اُس میں بہت سے پتّے اور جھاڑ گرے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ندّی چل نہیں سکتی تھی۔"

"بھائی ادّھو چوزے۔" ندّی کہنے لگی۔ "مہربانی کر کے یہ پتّے وغیرہ مُجھ میں سے نکال دو تاکہ میں چل سکوں۔"

"میں تو بڑے شہر جا رہا ہوں، بادشاہ سے ملنے۔" چوزہ بولا۔ "میرے پاس تو وقت نہیں ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

اور ادّھو چوزہ آگے چل پڑا۔ آگے اُسے آگ ملی جو بے چاری بالکل بُجھنے والی تھی۔

"ادّھو میاں۔" آگ بولی۔ "مُجھ پر دو چار لکڑیاں ڈال دو ورنہ میں تو بُجھ جاؤں گی۔"

ادّھو کہنے لگا۔ "میرے پاس تو وقت نہیں ہے۔ بادشاہ سے ملنے جا رہا ہوں۔" اور آگے چل پڑا۔ آگے ایک بڑا درخت ملا۔ درخت کی شاخوں میں سے آواز آ رہی تھی۔

"ادّھو میاں میری مدد کرو۔ میں ہوا ہوں۔ اِس درخت میں پھنس گئی ہوں۔ مُجھے چھڑاؤ۔"

"ارے واہ۔" چوزہ بولا۔ "تمھیں چھڑانے میں دیر کر دوں اور بادشاہ میرا انتظار کرتا رہے۔"

اور یہ کہہ کر آگے چل پڑا۔ پھُدکتے پھُدکتے وہ شہر پہنچ گیا۔ دیکھا کہ سپاہیوں کا ایک دستہ چلا جا رہا ہے۔ "اوہو۔ بادشاہ واقعی میرا انتظار کر رہا ہے اور اِن سپاہیوں کو مُجھے لینے بھیجا ہے۔" چوزے نے سوچا اور اپنے ایک پَر سے اُن کو سلام کیا۔ اور پھر پھُدکتا پھُدکتا محل کے اندر پہنچ گیا۔

سامنے سے ایک باورچی چلا آ رہا تھا۔ چوزے نے شہری پہلے دیکھا نہ تھا۔ سمجھا یہی بادشاہ ہے۔ سو اُس نے باورچی کو بھی سلام کیا۔

"السّلام علیکم بادشاہ سلامت۔" باورچی نے ادّھو کو دیکھا اور کہنے لگا۔ "ہاں تُم تو بادشاہ کے بہت کام آؤ گے۔ آج اس کا کھانا بنو گے۔"

اور اُس نے ادّھو کو پکڑ کر ایک پتیلی میں ڈالا اور چولہے پر چڑھا دیا۔ پتیلی کو پانی سے بھر

دیا۔ پانی جب اُبلنا شروع ہوا تو ادّھو نے شور مچایا "اے بھائی پانی اُبلنا بند کرو تم تو مُجھے جلا رہے ہو۔"

تو پانی کہنے لگا۔ "یاد ہے جب ندّی نے کہا تھا مُجھے صاف کر دو تو تُم کہتے تھے تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ اب میں کیوں تمہاری پرواہ کروں۔" اور پانی اُبلتا گیا۔

"آگ بی بی تُم ہی رحم کھاؤ۔" چوزہ بولا۔ "ذرا جلنا بند کر دو ورنہ میں تو بالکل ہی جل جاؤں گا۔" آگ کہنے لگی۔ "یاد ہے جب میں بُجھنے والی تھی تو میں نے کہا تھا مُجھے کُچھ لکڑیاں لا دو۔ اُس وقت تو تمہارے پاس وقت نہیں تھا۔" اور آگ نے اور تیز جلنا شروع کر دیا۔

اتنے میں ادّھو کو ہوا کے سائیں سائیں چلنے کی آواز آئی۔ "ارے بی بی ہوا۔" چوزہ
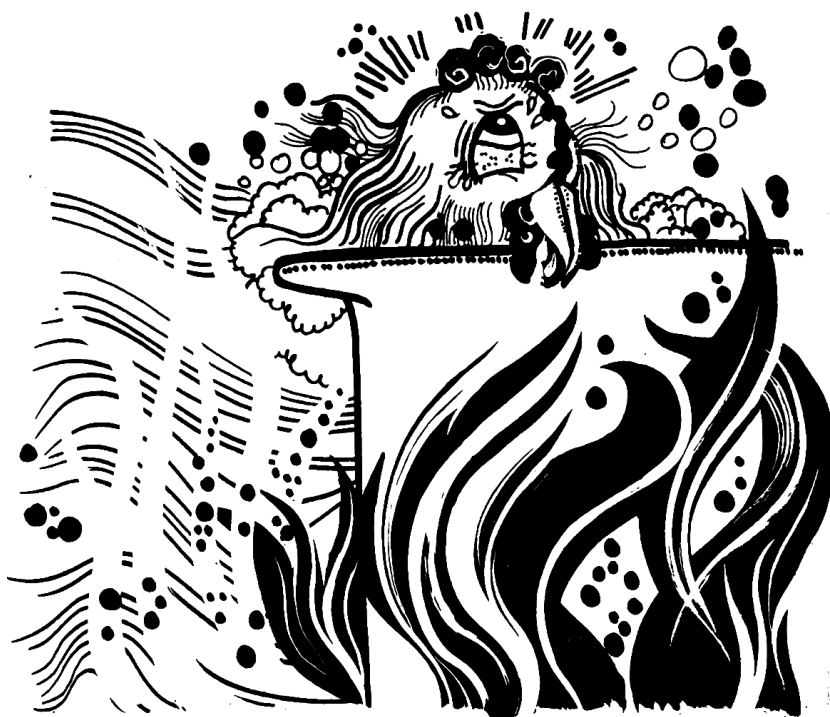
چلّایا۔ "یا تو اِس آگ کو بُجھا دو یا یہ پتیلی اُلٹا دو۔ میں تو مر گیا۔"

"اچھّا تو تُم ہو۔" ہوا بولی۔ اور اُس نے زور کر کے چوزے کو پتیلی سے نکال لیا اور اُڑا کر لے گئی۔ اور ہوا اور تیز ہوتی گئی اور چوزے کو اُڑاتی گئی۔ گھروں اور پہاڑیوں سے اُوپر۔ اور پھر ہوا کہنے لگی۔

"چوزے میاں یاد ہے جب میں درخت میں پھنسی ہوئی تھی تو تُم سے کہا تھا مُجھے چھڑا دو۔ مگر تُم تو جلدی میں تھے۔"

اور ہوا چوزے کو خوب اُوپر لے گئی۔ اور ایک بہت اُونچی عمارت کی چھت پر ایک سِیخ پر جا بِٹھایا۔

اور بچّو، آپ نے کبھی دیکھا ہے۔ اُونچی سی عمارت کی چھت پر ایک سِیخ لگی ہوتی ہے اور اُس پر ادّھو چوزہ بیٹھا ہوتا ہے۔

گھونسلہ

تاجکستان کی لوک کہانی

ایک دفعہ سب پرندے اکٹھے ہو کر ابابیل کے پاس گئے اور کہنے لگے "بی ابابیل ہمیں گھونسلہ بنانا سکھادو۔" کیونکہ ابابیل سب پرندوں سے اچھّا گھونسلہ بناتی تھی۔

ابابیل نے سب پرندوں کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور گھونسلہ بنانا سکھانے لگی۔

پہلے تو اُس نے تھوڑی سی گیلی مٹّی لی اور اُسے خوب گوندھ کے اُس کا ایک پیڑا سا بنایا۔

"اچھّا تو گھونسلہ ایسے بنتا ہے۔" کوئل کہنے لگی۔ اور فوراً ہی وہاں سے اُڑ گئی۔ اور اِسی لیے کوئل کا گھونسلہ آج تک بس گیلی مٹّی کے پیڑے کی طرح ہوتا ہے۔

ابابیل نے کُچھ تِنکے اکٹھے کیئے اور اُن کو اُس مٹّی کے پیڑے میں لگا دیا۔

"اچھّا۔ اب سمجھ آئی۔ گھونسلہ ایسے بنتا ہے۔" چیل نے کہا اور وہ بھی اُڑ گئی۔ اِسی لیے چیل کا گھونسلہ تِنکوں کا ہوتا ہے۔

ابابیل نے تھوڑی سی گیلی مٹّی اور لی اور اُس کی چپاتی بنا کر تنکوں کے اوپر لگا دی۔

"میں تو سب سمجھ گیا گھونسلہ اِس طرح سے بنتا ہے۔" اُلّو بولا اور وہ بھی اُڑ گیا۔ اور اُلّو آج تک اِسی طرح گھونسلہ بناتا ہے۔

اُدھر ابابیل نے اب نرم نرم پَر اور روئی وغیرہ اکٹھّی کرنی شروع کی تو چڑیا کہنے لگی۔

"اچھّا تو اِس طرح بنتا ہے گھونسلہ ۔ "اور چڑیا بھی اُڑ گئی ۔ اور اِسی لئے چڑیا کے گھر میں خوب نرم نرم پَر ہوتے ہیں اور بڑا گرم اور آرام دہ ہوتا ہے ۔

اور اِسی طرح سب پرندے تھوڑا تھوڑا کام سیکھ کر جاتے رہے اور پورا کام کسی نے بھی نہ سیکھا۔ ابابیل اپنی دُھن میں لگی کام کرتی رہی ۔ اچانک اُس کو آواز آئی ۔

"چندا ماما دور کے ۔ "یہ چکوری تھی جو بہت ہی بے وقوف تھی ۔ اور گانا گا رہی تھی ۔

ابابیل کو بہت غصّہ آیا۔ "بابا گانا بند کرو اور کام سیکھو۔ "وہ کہنے لگی ۔

مگر بے وقوف چکوری گاتی رہی ۔ "چندا ماما دور کے ۔ "

ابابیل نے غصّے میں سر اُٹھا کے جو دیکھا تو سب پرندے جا چُکے تھے ۔ اب تو اُسے اور بھی غصّہ آیا اور وہ وہاں سے اُڑ گئی اور اُس نے اِرادہ کر لیا کہ اب کسی پرندے کو گھونسلہ بنانا نہیں سکھائے گی ۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج تک مختلف پرندے مختلف طریقوں سے گھونسلہ بناتے ہیں ۔

ہرا شیر

سکاٹ لینڈ کی لوک کہانی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جنگل میں ایک ہرا شیر رہتا تھا۔ دراصل وہ ہرا تھا نہیں مگر ہمیشہ یہی کہتا تھا۔ "میں تو ہرا ہوں۔" بات یہ تھی کہ شیر پر تو دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور دھاریاں اُسے پسند نہیں تھیں۔

شیر کا دوست مگرمچھ تھا جو کہ واقعی ہرا تھا۔ شیر بھی اُسی کی طرح کا ہونا چاہتا تھا۔ "اگر میں ہرا ہوتا تو جنگل کا سب سے خوبصورت جانور ہوتا۔" شیر سوچتا۔

اور ایک آہ بھر کے شیر جھیل کے کنارے جا بیٹھا اور پانی میں اپنا عکس دیکھنے لگا۔

پاس ہی مگرمچھ بیٹھا تھا۔ وہ شیر کی اِن باتوں سے کافی تنگ آچکا تھا۔ سو اُس نے آنکھیں بند کرلیں جیسے سو رہا ہو۔

"میرا خیال ہے اِس کو دو چار ناریل ماریں۔" ببّر شیر بولا۔

"نہیں۔ اِس کا علاج یہی ہے کہ اِسے واقعی ہرا کر دیا جائے۔" مگرمچھ کہنے لگا۔ اور دونوں نے یہ کرنے کی ترکیب نکال لی۔ دوسرے دِن شیر اُسی جھیل کے کنارے بیٹھا تھا کہ ببّر شیر آیا اور کہنے لگا "یہ کالا پیلا شیر کیسا ہے۔"

"یہ کالا پیلا شیر دراصل ہرا ہے۔" شیر بولا۔

"میں تمہارے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔" اور یہ کہہ کر ببّر شیر نے ایک تو بڑا سا بُرش نکالا اور ایک ڈبّہ نکالا جس میں ہرا رنگ تھا۔ پھر بُرش کو رنگ میں ڈبویا اور شیر کی مُونچھوں سے شروع کر کے اُس پر ہرا رنگ کرنا شروع کر دیا۔ صُبح سے شام تک رنگ ہوتا رہا یہاں تک کہ شیر مُونچھوں سے لے کر دُم تک ہرا ہو گیا۔

"لو جی اب تُم جنگل کے سب سے خوب صُورت جانور ہو۔" ببّر شیر بولا۔ شیر نے شرما شرما کر اور مُسکرا مُسکرا کر ببّر شیر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

ببّر شیر دِل ہی دِل میں ہنستا ہوا مگرمَچھ کے پاس پہنچا اور سارا قصّہ سُنایا۔ مگرمَچھ بھی ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اور زرافہ اور زیبرا بھی آ گئے اور ہنسنے لگے۔

اُدھر شیر نے جا کے جھیل میں اپنا عکس دیکھا تو بہت گھبرایا۔ وہ سب سے خوب صُورت جانور تو نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تو بہت ہی بد صُورت لگ رہا تھا۔ اور پھر اُسے ہنسی کی آواز آئی۔ دیکھا تو جھیل کے پار سب جانور کھڑے ہنس رہے تھے۔ شیر سمجھ گیا کہ اُس کے ساتھ مذاق ہوا ہے۔ اُسے بہت غصّہ آیا سوچا ان سب جانوروں

کو مزہ چکھاتا ہوں۔ اور یہ سوچ کر وہ شڑاپ سے جھیل میں کُود گیا۔ یہ تو اُس نے سوچا ہی نہیں آتا کہ اُسے تیرنا نہیں آتا۔

شیر غوطے کھاتا جھیل کے پار پہنچا اور پانی سے باہر نکلا۔ اور اب جو اُس کی نظر اپنے عکس پر پڑی تو پتہ چلا کہ سارا رنگ دُھل کر پانی میں رہ گیا ہے اور شیر پھر پیلا اور کالا ہے۔ صرف اُس کے کان کُچھ کُچھ ہرے تھے۔

شیر نے سوچا۔ "خیر سے بُدھو گھر کو آئے" اور باقی جانوروں کو کُچھ کہے بغیر چُپکے اپنے گھر چلا گیا۔

اصلی جواب

چین کی لوک کہانی

بہت پرانے زمانے کی بات ایک ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ بادشاہ کے بہت سے وزیرامیر بھی تھے۔

ایک دفعہ بادشاہ ایک امیر سے خفا ہوگیا۔ اُس کا جی چاہا کہ کسی طرح بہانہ بنا کے امیر کو تنگ کرے۔ بادشاہ نے سپاہی امیر کے گھر بھیج دیے اور ساتھ لکھ کر حُکم بھیجا کہ تمھیں قید کی سزا ہو گئی ہے۔ اگر قید سے بچنا چاہتے ہو تو مُجھے ایک گھوڑا بھیج دو۔ لیکن

شرط یہ ہے کہ گھوڑا نہ تو سفید ہو نہ کالا۔ نہ دو رنگا۔ نہ سلیٹی نہ بھورا ہو۔ غرض بادشاہ نے وہ تمام رنگ گنوا دیے جو گھوڑوں کے ہوتے ہیں اور کہہ دیا کہ اِن کے علاوہ کسی رنگ کا گھوڑا ہو۔

امیر پہلے تو بہت گھبرایا مگر پھر اُس کو جواب سوجھ گیا۔ اُس نے بادشاہ کو واپس پیغام بھجوایا کہ آپ کا گھوڑا تیّار ہے۔ آدمی بھیج کر منگوالیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی نہ تو اتوار کو آئے۔ نہ پیر کو۔ نہ منگل، نہ بُدھ، نہ جمعرات اور جمعہ اور ہفتہ کو تو

بالکل نہ آئے ۔ البتّہ اِن کے علاوہ بادشاہ جو دِن چُنے اُس دِن آجائے ۔

کھوجے کے گھر چور

تُرکی کی لوک کہانی

کھوجا نصیر الدّین اپنے وقت کا بہت عقل مند آدمی تھا۔ مگر بہت سے عقل مند لوگوں کی طرح وہ بھی بہت غریب تھا۔

ایک رات کھوجا اپنے گھر میں سو رہا تھا کہ اُس کے گھر ایک چور آ گیا۔ چور اندھیرے میں ہی ٹٹول ٹٹول کے کوئی قیمتی چیز تلاش کرنے لگا تاکہ چُرا سکے۔ اُس کے ٹٹولنے جو ہلکی ہلکی آواز پیدا ہوئی تو کھوجے کی آنکھ کھُل گئی۔
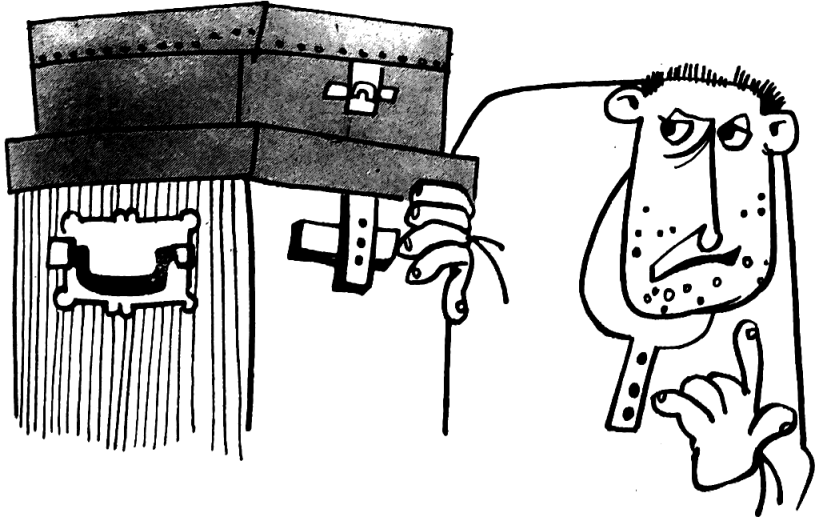
کھوجا کُچھ دیر تو چُپکا لیٹا رہا اور چور کے اِدھر اُدھر جانے کی آواز سُنتا رہا۔ پھر زور سے کہنے لگا۔ "جناب چور صاحب۔ السّلام علیکم۔" چور یہ سُن کر سٹپٹا گیا۔ تو کھوجے کی پھر آواز آئی۔ "جناب چور صاحب کسی طرح ذرا روشنی کر دیجئے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا شے ہیں۔"

یہ سُن کر تو چور بالکل بوکھلا گیا اور کہنے لگا۔ "جناب میں تو کُچھ بھی نہیں بس ایک معمولی سا چور ہوں۔"

"اجی نہیں۔" کھوجا بولا۔ "آپ معمولی تو بالکل نہیں کیونکہ آپ میرے گھر میں رات

کے اندھیرے میں وہ چیز تلاش کر رہے ہیں جو مجھے دِن کی روشنی میں نہیں ملتی حالانکہ میں برسوں سے ڈھونڈ رہا ہوں۔"
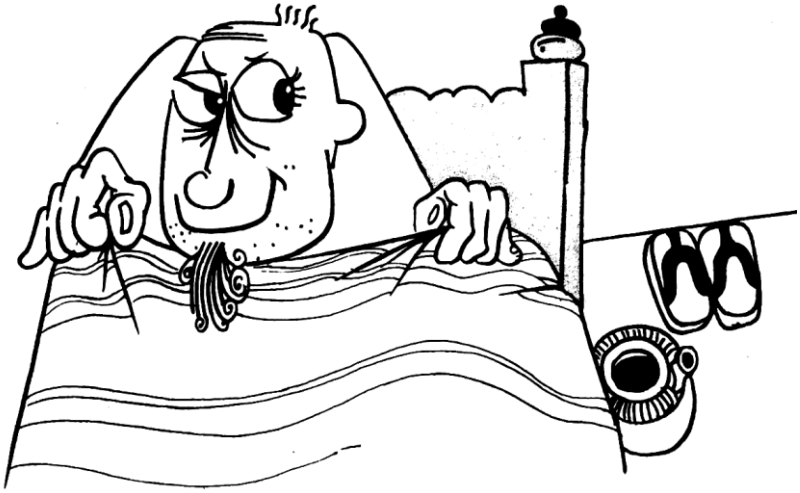
کسان۔ ریچھ اور لومڑی

بنگلہ دیش کی لوک کہانی

ایک گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ کسان بہت عقل مند تھا۔ اتنا عقل مند تھا کہ لوگ کہتے تھے جتنی عقل کسان کے ناخنوں میں ہے اُتنی عام لوگوں کے سر میں نہیں ہوتی۔

ایک دِن کسان کے کھیت میں ایک ریچھ آ گیا اور آ کر کہنے لگا۔ "کسان میاں مرنے کے لئے تیّار ہو جاؤ۔ میں تمھیں کھاؤں گا۔" کسان اِس بات سے بہت ڈرا مگر اُس کو

ایک ترکیب سوجھی تو کہنے لگا "ریچھ بھائی ابھی مُجھے نہ کھاؤ۔ میں کھیت مین ایک فصل بوتا ہوں جب تیّار ہو جائے گی تو ساری تمہیں دے دوں گا صرف جڑیں خود لے لوں گا۔"

ریچھ یہ سُن کر مان گیا۔ اور کسان نے کیا کِیا کہ کھیت میں چقندر بو دیے۔ اب چقندر تو دراصل ایک پودے کی جڑ ہوتا ہے اور زمین کے نیچے اُگتا ہے۔ جب فصل تیّار ہوئی تو کسان نے اوپر کے پتّے اور ٹہنیاں ریچھ کو دے دیں اور جڑ یعنی چقندر خود رکھ لیے۔ ریچھ کسان کی چالاکی سمجھ گیا اور اُسے بہت غصّہ آیا۔ وہ پھر کسان کو کھانے کو

دوڑا تو کسان جلدی سے کہنے لگا کہ "بھائی ریچھ، مُجھے نہ کھاؤ۔ اب کے جو فصل ہوگی اُس کی جڑیں تمہیں دے دوں گا اور باقی حصّہ خود رکھوں گا۔"

ریچھ پھر مان گیا۔ اور اب کے کسان نے گندم بوئی۔ اور جب فصل تیّار ہوئی تو جڑیں جو کسی کام کی نہ تھیں ریچھ کو دے دیں اور گندم ساری خود لے لی۔

اب تو ریچھ غصّے سے بالکل آگ بگولا ہو گیا اور کسان کو کھانے دوڑا۔ اِتنے میں ایک لومڑی کہیں سے آ نکلی۔ کسان بھاگا ہوا لومڑی کے پاس گیا اور اُسے ساری کہانی سُنا

دی۔ لومڑی کہنے لگی۔ "کسان میاں تُم فکر مت کرو۔ میں تمہیں بچاؤں گی۔" اور لومڑی نے خوب شور مچانا شروع کر دیا کہ "یہاں کوئی ریچھ تو نہیں ہے۔ میں ریچھ کا شکار کر رہی ہوں اور صُبح سے بیس ریچھ مار چُکی ہوں۔"

ریچھ یہ سُن کر بہت ڈرا اور چُپکے سے کسان سے کہنے لگا۔ "میاں مُجھے اِس سے بچا لو۔ اِس کو کہہ دو یہاں کوئی ریچھ نہیں ہے۔" لومڑی نے یہ سُن لیا اور زور سے بولی۔ "اگر یہاں ریچھ نہیں ہے تو یہ بھوری سی چیز کیا ہے؟"

اب تو ریچھ اور بھی ڈرا اور کسان سے کہنے لگا۔ "کہہ دو کہ یہ تو لکڑی ہے۔"

کسان نے کہہ دیا۔ "جناب یہ تو لکڑی ہے۔"

تو لومڑی کہنے لگی۔ "اگر یہ لکڑی ہے تو اِسے کلہاڑی سے کاٹو۔" اور کسان نے کلہاڑی اُٹھا کر ریچھ کے ایسی ماری کہ وہیں مر گیا۔ کسان نے لومڑی کا بہت شکریہ ادا کیا۔ مگر لومڑی کہنے لگی "صرف شکریے پر تو میں نہیں ٹلوں گی۔ آخر میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اب تو میں تمہارے گھر میں ہی رہوں گی۔ جاؤ جا کے میرے لئے کُچھ کھانا وغیرہ پکاؤ۔"

کسان کہنے لگا۔ "ضرور لومڑی بی بی۔ آپ گھر کے اندر تو چلیں۔ چل کے آرام کریں میں کھانا پکاتا ہوں۔"

گھر کے اندر دراصل کسان کا ایک بہت بڑا سا کُتّا تھا۔ لومڑی نے جو گھر کا دروازہ کھولا تو کُتّا اُس پر جھپٹا۔ اور لومڑی جان بچا کر وہاں سے ایسی بھاگی کہ پھر اُدھر کا رُخ نہیں کیا۔